باب
3

اخلاق واقدار

عبادت کے انسانی زندگی پراثرات (مذاہب عالم کی روشنی میں):

مذاہب کی تاریخ کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ ہر مذہب اپنے نظامِ عبادت کے ذریعے انسان کو اندر سے بدلنا چاہتا ہے۔ تمام مذاہب کا سرچشمہ خدائے بزرگ وبرتر کی ذات ہے۔ اسی نے انسان کو پیدا کیا جبکہ انسان نے الہامی ہدایات کی روشنی ہی میں زندگی کے سفر کا آغاز کیا۔ خدائے بزرگ برتر نے جب دیکھا کہ انسان خودغرضی کا شکار ہوکر ظلم اور سرکشی پر اتر آیا ہے اور نہ صرف دوسروں کے حق غصب کرنے لگا ہے، بلکہ اپنے خالق کی اطاعت سے بھی عاری ہوگیا ہے، تو اس نے پے درپے اپنے نبی، اوتار اور نیک بندے بھیجے تاکہ انسان اپنے غلط رویے بدلے اور راہِ راست پر قائم رہے۔ اسی طرح جب معاشرے کی اصلاح کرنے والوں نے دیکھا کہ انسان بھٹک گیا ہے، تو انھوں نے کچھ اخلاقی ضابطے مقرر کر کے نئے مذہب کی بنیاد رکھی، اور انسان کی اصلاح کرنا چاہی، تاکہ معاشرے میں اچھی اقدار پروان چڑھیں اور بُرائی کا خاتمہ ہو۔

عبادت کے کسی بھی نظام کی بنیاد عقائد پر ہوتی ہے جبکہ ان عقائد کا انسانی نفسیات سے گہرا تعلق ہوتا ہے۔ جس طرح غم، غصہ، خوف اور خوشی انسانی زندگی پر گہرے اثرات مرتب کرتے ہیں، اسی طرح ایمان اور عقائد بھی انسان کی داخلی کیفیت کو بدلتے ہیں۔ ایک انسان جو خود کو گناہوں سے آلودہ محسوس کرتا ہے اور مایوسی کا شکار ہوتا ہے، جب وہ اپنے سارے گناہوں کو تسلیم کرتے ہوئے خدا سے معافی کا طلب گار ہوتا ہے تو اس کی دُعا قبول ہوتی ہے۔ اس کا دل مطمئن اور پُرسکون ہے اور وہ خود کو ایک بدلا ہوا انسان محسوس کرتا ہے۔ اس طرح اس کے رویّے بھی بدل جاتے ہیں۔

عبادات کئی قسم کی ہیں۔ ایک بزرگ وبرتر ہستی کے حضور کھڑا ہونا، سر جھکانا، جھک جانا، سجدہ ریز ہونا، حمد وثنا بیان کرنا، دعا مانگنا وغیرہ۔ یہ سب اُمور تمام مذاہب کے نظام ہائے عبادت کا حصہ ہیں اسی طرح مراقبہ، چلہ کشی، روزہ رکھنا، کم کھانا، کم سونا، فاقہ کشی، استغراق اور وظائف پڑھنا مختلف انداز میں دعائیں مانگنا بھی عبادات کے نظام میں شامل ہیں۔ یہ نظام انسان کے رویے میں تبدیلیاں لا کر اس کے ذہن کی نئی تشکیل کرتے ہیں۔

عبادت کے نظام پابندی وقت سکھاتے ہیں' اور انسانی زندگی میں نظم وضبط پیدا کرتے ہیں۔ ہر نظامِ عبادت انسان میں عاجزی پیدا کرتا ہے اور منفی جذبات کو ختم کرتا ہے۔ انسان وقت کی پابندی اور نظم وضبط سے فائدہ اٹھا کر عملی زندگی میں اپنے معاملات کو دُرست کر سکتا ہے۔ نظام ہائے عبادات پابندی وقت کا تقاضا کرتے ہیں۔ تمام مذاہب میں نماز، روزہ اور دیگر عبادات کے اوقات مقرر ہیں۔ زکوٰۃ، حج اور مذہبی تقریبات کے نہ صرف اوقات مقرر ہیں، بلکہ ان مقررہ اوقات سے ہٹ کر عبادت کی جائے تو وہ عبادت تصور نہیں کی جاتی۔

عبادات کا ایک اہم معاشرتی پہلو خدمتِ خلق ہے۔ تمام مذاہب میں دوسروں کی مدد اور خدمت کو عبادت قرار دیا جاتا ہے، بلکہ ہر مذہب ایسا کرنے کا حکم دیتا ہے۔ دنیا میں کہیں بھی انسانی آبادی قدرتی آفات کا شکار ہو تو ہم دیکھتے ہیں کہ بلالحاظ مذہب وملّت مذہبی تنظیمیں اور عبادت گزار افراد پیش پیش ہوتے ہیں اور وہ کسی صلے اور ستائش کے بغیر یہ خدمت عبادت سمجھ کر انجام دیتے ہیں۔ سر گنگا رام، سردار دیال سنگھ، مدر ٹریسا، عبدالستار ایدھی وغیرہ اسی قسم کے لوگ تھے۔ اسی طرح مالی قربانی بھی عبادات کا حصہ ہوتی ہے۔ لوگ غریبوں میں رقوم بانٹتے ہیں، وظیفے جاری کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ بیواؤں اور یتیموں کی مدد کا خیال رکھنے کا حکم دیتا ہے۔ ایسی مدد سے جہاں محتاجوں کے مسائل حل ہوتے ہیں وہاں مجموعی طور پر معاشرے کے معاشی مسائل بھی سلجھتے ہیں۔

عبادات انسانی سیرت کی تعمیر اور اخلاقی تربیت کرتی ہیں۔ عبادت گزار افراد عموماً عاجزی وانکساری اختیار کرتے ہیں۔ وہ غرور، تکبر، احساسِ برتری، کینہ اور حسد وبغض سے بچتے ہیں۔ اسی لیے وہ نفسیاتی اور بدنی بیماریوں سے محفوظ رہتے ہیں۔ وہ میل ملاپ اور معاشرتی تعلقات میں پُرجوش ہوتے ہیں۔ اس طرح عبادات کے نظام افراد کے رویوں میں اعتدال لا کر انھیں کئی بُرائیوں سے دُور رکھتے ہیں۔ یہ عام مشاہدے کی بات ہے کہ عبادت گزار افراد ہر قسم کے نشے سے دُور رہتے ہیں، اور وہ دیگر سماجی بُرائیوں سے بھی بچتے ہیں۔

جس طرح عباداتِ خواہشات پر قابو پانا اور صبر وتحمل سکھاتی ہیں، اسی طرح بدن اور لباس کی صفائی، جگہ کا پاک ہونا بھی عبادات کے تقاضوں میں شامل ہے۔ اس لیے عبادات سے صفائی کا رجحان بڑھتا ہے۔ اسلام تو صفائی کو نصف ایمان قرار دیتا ہے۔ چنانچہ عام مشاہدے کی بات ہے کہ عبادات میں مصروف رہنے والے افراد نہ صرف خود پاک صاف رہتے ہیں بلکہ وہ ماحول کو بھی پاک صاف رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مذاہب عالم میں غسل کرنے کو عبادت قرار دیا گیا ہے۔

مختصراً یوں سمجھ لیں کہ عبادت سے انسان میں جو ظاہری اور باطنی تبدیلیاں آتی ہیں، وہ ہر فرد پر مثبت اثرات مرتب کرتی ہیں۔ جب ہزاروں لاکھوں انسان ایک نظم کے تحت زندگی بسر کرتے ہیں۔ معاشرے پر اس کے گہرے مثبت اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ جیسا کسی قوم کا نظریۂ حیات ہوتا ہے ویسا ہی اس کا نظامِ عبادت ہوتا ہے اور اسی کے مطابق نئے ذہن تشکیل پاتے ہیں اور عمدہ تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں۔

مذہب کے اثرات:

انسانوں پر مذہب کے اثرات کی نوعیت مختلف اور متنوع قسم کی ہوتی ہے۔ بعض اہم اثرات یوں بیان کئے گئے ہیں۔

(1) جذباتی تکمیل:

مذہب ایک علامتی نظام مہیا کرتا ہے جس میں شرکت کے ذریعے سے انسان اپنے جذباتی ارتقا کی سعی کر سکتا ہے۔ پھر جذباتی مسائل رونما ہونے کی صورت میں وہ نظام معالجاتی مقاصد کی تکمیل کے لئے بھی مفید ثابت ہو سکتا ہے۔

(2) ثقافتی حیاتِ نو:

محققین نے ایک ڈگمگاتی ثقافت کو سنبھالا دینے کے لیے مذہب کے موثر طریقوں کا خاص ذکر کیا ہے۔ انہیں احیا کی تحریکیں کہا جاتا ہے جو بعض اوقات ان ثقافتوں میں نمودار ہوتی ہیں جو اپنے مدمقابل اِن تعلیمات کو برہمن اعتقادات کے مخالف سمجھا جانے لگا۔ ایسی ثقافتیں اپنے تحفظ کے لیے مورچہ بندی کر لیتی ہیں اور زوردار قسم کی مذہبی تحریکوں کو جنم دیتی ہیں۔ جو پرانی جانی پہچانی اقدار پر اصرار کرتی ہیں۔

(3) مفہوم کا تعین:

محققین مذہب کے علامتی عنصر کا بطور خاص ذکر کرتے ہیں کہ یہ کس طرح انفرادی رویئے کے لیے ایک بامعنی ثقافتی سیاق و سباق مہیا کرتا ہے۔

(4) معاشرتی استحکام:

دانشوروں نے یہ نکتہ بھی پیش کیا ہے کہ مذہب انسانی گروپوں کو علامتی شکلیں بخشتا ہے جن کے سبب ان میں گروہی استحکام پیدا ہوتا ہے اور اس طرح وہ معاشرتی اعتبار سے زیادہ مربوط ہو جاتے ہیں۔

(5) انسانی تمدن:

تمدن مل جل کر رہنے کے طریقے یا طرزِ معاشرت کو کہتے ہیں۔ عام طور پر معاشرتی طور طریقے اور زندگی بسر کرنے کے انداز حواس اور عقل کی بنیاد پر وجود میں آتے ہیں۔ مادی یا حسّی تمدن کا تعلق صرف انہی مادی اشیا سے ہوتا ہے جن کا ادارک کیا جا سکے اور حواس کے دائرے میں آسکیں۔ مادی تمدن کے نظام میں عام انسانی ضرورتوں اور خواہشون کی تکمیل ہی کو درجہ کمال سمجھا جاتا ہے۔ اس لئے اس نظام میں غیر مادی یا روحانی اشیا کا کوئی تصور نہیں ہوتا۔ خدا، وحی اور آخرت پر ایمان نہ ہونے کی وجہ سے انسان جو چاہے کر گزرنے میں آزاد ہوتا ہے۔ اس کا مقصود صرف ذاتی منفعت، آسائش و آرام کا حصول رہ جاتا ہے۔ اخلاقی اقدار اور روحانی بلندی وغیرہ اس کے نزدیک بے معنی چیزیں ہو جاتی ہیں۔

(6) عقل و منطق:

انسان عقل و منطق سے زیادہ جذبات کا بندہ ہے۔ جس معاشرے یا تمدن کو عقلی کہا جاتا ہے وہ محض جزوی طور پر عقلی کہے جا سکتے ہیں۔ عقل اپنے مقصد کے حصول کے لیے گنجائش پیدا کر لیتی ہے اور تاویل سے کام لیتی ہے۔ موجودہ زمانے کے عقلی تمدن میں عقل کی حیثیت بہت کمزور ہے۔ اس کا کام صرف اتنا ہے کہ وہ تجربوں کو تسلیم کرے اور حسی خواہشوں کی تکمیل میں تعاون کرے۔

اشراق یعنی حکمت، روشن ضمیری یا باطن کی صفائی۔ یہ تمدن دراصل مادی تمدن کی ضد ہے، اس میں جسم اور مادیت سے مقابلہ کیا جاتا ہے۔ چنانچہ گوشہ نشینی، چلہ کشی اور تجرد کی زندگی اس کے خاص اثرات ہیں جن سے معاشرے میں غیر متوازن عناصر جنم لینے لگتے ہیں۔ تمدن کی یہ صورتیں ایک متوازن معاشرہ قائم کرنے میں ناکام رہیں۔ اس کے برعکس مذاہب کے زیرِ اثر روحانی شخصیات کی تعلیمات نے جو روحانی یا الہامی تمدن قائم کیا اس میں یہ خاص باتیں شمار کی جا سکتی ہیں۔

1۔ خداوند تعالیٰ کے بارے میں یہ واضح تصور کہ وہ کائنات کا واحد خالق اور آقا ہے، وہ انسانوں سے عدل اور رحمت کا برتاؤ کرتا ہے۔ اس کی صفات ربوبیت، عدل اور رحم کی بنا پر کائنات میں تنوع کے ساتھ توازن واعتدال ہے۔

2۔ انسان اس دنیا میں خدا کا نائب اور اشرف المخلوقات ہے۔ اس کی زندگی کا مقصد خدا کی دی ہوئی ہدایات پر عملدرآمد ہونا ہے۔

3۔ اس زندگی کے بعد ایک اور زندگی آنے والی ہے جہاں اس زندگی کے اعمال کا حساب کتاب ہوگا۔

4۔ بامقصد اور باعمل زندگی گزارنے کا تصور کہ انسان زیادہ سے زیادہ نیکی اور بھلائی کے کام کرے دوسرے انسانوں کے کام آئے اور امن وانصاف قائم کرسکے۔

اس قسم کا مذہبی یا روحانی تمدن مسرت اور انصاف بخشنے کی ضمانت ہوسکتی ہے۔ اس میں حسی تمدن کی اغراض پسندی نہیں ہوتی اور نہ اشراقی تمدن کا ترک دنیا۔ نفع پرستی کے بجائے چند مستقل اخلاقی اصول ہیں جو وسیع تر انسانیت کے حق میں ہر طرح سے مفید ہیں اور ان کی پابندی بہرصورت ضروری ہوتی ہے۔

☆☆☆☆

مشق

(الف) مفصل جوابات لکھیں۔

1۔ مذاہب کے انسانی زندگی پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟

2۔ عبادات انسان میں کس قسم کے اوصاف پیدا کرتی ہیں؟

3۔ مذہب کے کوئی سے پانچ اثرات تفصیل سے بیان کریں۔

(ب) مختصر جوابات لکھیں۔

1۔ مذہب نظامِ عبادت کے ذریعے کیا تبدیلی لاتا ہے؟

2۔ جب انسان خدا سے گناہ کی معافی طلب کرتا ہے تو کیا ہوتا ہے؟

3۔ عبادت کے نظام کی بنیاد کس چیز پر ہے؟

4۔ عبادت کا اہم معاشرتی پہلو کیا ہے؟

5۔ عبادت کے نفسیاتی اثرات کیا ہوتے ہیں؟

6۔ انسانی تمدن مذہب پر کیسے اثرات مرتب کرتی ہے؟

(ج) درست جواب کی نشاندہی کیجیے۔

1۔ عبادات کا اہم معاشرتی پہلو.................ہے۔

(ا) خدمتِ خلق (ب) صبر اور حوصلہ
(ج) ضبطِ نفس (د) غرور کا خاتمہ

2۔ نظامِ عبادت کی بنیاد.................پر ہوتی ہے؟

(ا) نظامِ معاشرت (ب) نظریۂ حیات
(ج) عقائد (د) الہامی کتب

3۔ انسان کی اندرونی کیفیت بدلنے کے لیے ہر مذہب نے ایک.................دیا۔

(ا) نظامِ معاشرت (ب) نظامِ عبادت
(ج) نظامِ زیست (د) ایک خاص سلیقہ

4۔ عبادت کے نظام......................سکھاتے ہیں۔

(ا) نظم وضبط　(ب) پابندیِ وقت

(ج) خدمتِ خلق　(د) الف، ب، ج

5۔ عبادات سکھاتی......................ہیں۔

(ا) ضبطِ نفس اور صبر　(ب) پابندیِ وقت

(ج) آدابِ زندگی　(د) الف، ب، ج

6۔ کردار سازی اور تعمیرِ سیرت کے لیے......................لازم ہے۔

(ا) عاجزی　(ب) تکبر اور غرور جیسی نفسی بیماریوں سے پرہیز

(ج) عبادت　(د) ا، ب، ج

(د) صحیح جملے کے سامنے ''ص'' اور غلط کے سامنے ''غ'' لگائیے۔

1۔ مذہب اپنی اقدار کے ذریعے انسان کو بدلتا ہے۔

2۔ عبادت کی بنیاد عقائد پر ہوتی ہے۔

3۔ عبادات کا اہم مذہبی پہلو خدمتِ خلق ہے۔

4۔ دعا کی قبولیت سے انسانی رویے بھی بدل جاتے ہیں۔

5۔ ہر نظامِ عبادت انسان میں عاجزی پیدا کرتا ہے۔

(ہ) طلبہ کے لیے سرگرمیاں:

1۔ طلبہ مختلف گروہ بنا کر اس بات کا جائزہ لیں کہ عبادت سے افراد کی نجی زندگی پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟ اہم نکات پر مشتمل چارٹ بنائیں۔

2۔ کسی ایسے شخص کا انٹرویو کریں جس نے زندگی کا چلن اچانک بدل لیا ہو اور نیک عادات اپنالی ہوں۔ آپ نوٹ کریں کہ اس نے کون کون سی بُری عادتیں ترک کیں اور نیک عادات اپنائیں۔ وجوہات پر بھی غور کریں اور اپنے مشاہدات کی روشنی میں بتائیں کہ انسان پر مذہب کیسے اثر انداز ہوتا ہے؟

(و) اساتذہ کے لیے ہدایات:

طلبہ کو عبادت گزار افراد کی اخلاقی برتری کے بارے میں اس طرح بتایا جائے، کہ ان میں عبادت کا شوق پیدا ہو۔

☆☆☆☆

عالمی مذاہب میں اخلاقی اقدار

تمام مذاہب کی بنیاد اخلاق پر ہے۔ ساری روحانی شخصیات اور مصلحین نے دوسروں کے حقوق پورے کرنے، بُرائیوں سے بچنے، پاکیزگی، پرہیزگاری، رحم دلی، دردمندی، عدل وانصاف، دوسروں کی مدد اور خدمت خلق پر زور دیا۔ تمام مذاہب اور بدھ مت اور جین مت وغیرہ ایسے مذاہب ہیں جن میں موت کے بعد زندگی اور جواب دہی کا تصور موجود ہے اسی لیے ان کی بنیاد ہی سراسر اخلاق پر ہے۔ آپ ذرا غور کریں تو آپ پہ واضح ہوگا کہ اچھائی کو عام کرنے اور بُرائی کو ختم کرِنے کے دو ذریعے ہوتے ہیں ایک قانون اور دوسرا اخلاق۔ قانون کے خوف سے بھی بُرائی کم ہوتی ہے، لیکن معاشرتی اخلاقی دباؤ اس سے کہیں زیادہ مؤثر ہوتا ہے۔

کسی آدمی کی شخصیت دو طرح سے دوسروں کو متاثر کرتی ہے۔ ایک شکل وصوت، گفتگو یا ذہانت سے اور دوسرا اخلاقی خوبیوں سے۔ اِن میں حُسن یا خوبصورتی، وجاہت اور ذہانت ایسی خوبیاں ہیں جن کے پیدا کرنے میں ایک فرد کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا بلکہ یہ خالق و مالک کی عطا کردہ ہوتی ہیں جبکہ دردِ دل، رحم دلی، سچائی اور پاکیزگی ایسے اوصاف ہیں جن کے پیدا کرنے میں ایک فرد کی نیت، محبت اور کوشش کا دخل ہوتا ہے اس لیے یہ اُسے صاحبِ کردار بنا دیتی ہیں۔ یہ اخلاقی خوبیاں مذہب کی دَین ہیں اور تاریخ میں شرفِ انسانیت ان کی وجہ سے قائم ہے۔

دنیا کے تمام مذاہب کی بنیاد اخلاق پر ہے۔ بے شک انسان عادات وخصائل، طرزِ زندگی، خاندانی روایات، معاشی اور معاشرتی حالات کے لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں، لیکن اخلاقی اقدار کا اپنانا، اور ان پر عمل کرنا آپ عام معاشرتی زندگی میں ہر جگہ دیکھ سکتے ہیں۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ چڑیا کا بچہ گھونسلے سے گر پڑے تو ممتا کی ماری چڑیا اسے اٹھانے کے لیے تڑپتی ہے۔ اس چڑیا کو دیکھ کر انسان کا دل بھی پسیج جاتا ہے۔ یہ رحم کا جذبہ ہے جو انسانی دل میں اُمڈ آتا ہے۔ اب اگر آپ کا جی چاہتا ہے کہ اس چڑیا کی مدد کی جائے اور آپ اس کے بچے کو اٹھا کر گھونسلے میں ڈال دیتے ہیں تو یہ دردمندی ہے۔ اسی طرح ایک شکاری ہرنی کا بچہ اٹھا کر گھوڑے پر سوار ہو کر جانے لگا تو ہرنی نے دیکھ لیا وہ بے تاب ہو کر دوڑی۔ اس کے ساتھ ہی اس نے ایک دلدوز چیخ ماری۔ اس کی آواز میں ایسا سوز تھا کہ شکاری کا دل پسیج گیا اور اس نے بچہ چھوڑ دیا۔ دردمندی کا یہ جذبہ رحم دلی کا عکاس ہوتا ہے۔

آپ نے کسی آدمی کو دیکھا ہے جو جھاڑیوں سے گزر رہا ہو۔ وہ بڑی احتیاط سے سمٹ سمٹ کر، کپڑوں اور بدن کو بچا بچا کر گزرتا ہے۔ دنیا میں ہر طرف بُرائیوں کے بڑے پُرفریب پھندے ہیں۔ ان سے بچ کر چلنا ہی پرہیزگاری ہے۔ ہر مذہب اپنے ماننے والوں کو نیک و بد سمجھا دیتا ہے اور پھر انھیں دیانتداری، خدمت خلق، دردمندی اور رحم کی جزا اور بد دیانتی، ظلم اور دوسروں کی حق تلفی کی سزا کے بارے میں بھی بتاتا ہے۔ انسانی فطرت سلیم ہو، نیز والدین اور اساتذہ نے اچھی تربیت کی ہو تو انسان پرہیزگار بن کر نیکی کے راستے پر چلتا ہے۔ تمام نبیوں اور مصلحین نے پرہیزگاری کے عملی نمونے دیے ہیں۔

رحم دلی وہ عظیم اخلاقی قدر ہے، جسے دنیا بھر میں عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور ہر مذہب اسے اپنانے کی تلقین کرتا ہے۔ اسلام نے جانوروں سے ان کی طاقت سے زیادہ کام نہ لینے اور ان کی خدمت کرنے کا حکم دیا ہے۔ جانوروں کو آپس میں لڑانے سے منع کیا

ہے۔ بدھ مت اور جین مت میں تو کیڑے مکوڑوں کو مارنا بھی منع ہے۔ جین مت کے بھکشو اپنے جسم پر رینگنے والے کیڑے مکوڑوں کو نہیں جھاڑتے۔ ان کے ہاں جانوروں کے علاج اور خدمت کے لیے پناہ گاہیں بنائی جاتی ہیں۔ کراچی میں نسروان جی مہتا (زرتُشت مذہب کے پیرو) جب بلدیہ کے میئر بنے تو اُنھوں نے جہاں انسانوں کے لیے ہسپتال بنوائے وہاں جانوروں کی خدمت کے لیے بھی بڑے کام کیے۔

خواتین میں رحم اور دردمندی کا جذبہ ہوتا ہے۔ ایک عورت جس عورت سے لڑ رہی ہوتی ہے، اسی کے بچے کو روتا دیکھ کر چومنے لگتی ہے۔ بدھ مت میں دردمندی کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ وہ دانش اور دردمندی کو بدھ مت کے دو ستون گردانتے ہیں۔ گوتم بدھ نے کہا کہ جب تک ایک بھی انسان دکھ میں مبتلا ہے میری خوشی ادھوری ہے۔ دراصل دردمندی (دوسرے کے دکھ کو محسوس کر کے مدد کرنے کو جی چاہنا) دوسرے کے دکھ درد کو اکھاڑ پھینکتی ہے۔

دوسروں کی مدد کا جذبہ جہاں سچی ہمدردی کا مظہر ہے، وہاں کئی اخلاقی خوبیاں اس میں یکجا ہو جاتی ہیں۔ تمام مذاہب میں دوسروں کی مدد کو حقوق العباد قرار دیا گیا ہے اور خود غرضی کی خوب خوب مذمت کی گئی ہے۔ خداوند یسوع مسیح کی تعلیمات میں اس پر اور زیادہ توجہ دی گئی ہے۔ مسیحی دکھی انسانیت کی خدمت کے لیے ہمیشہ پیش پیش ہوتے ہیں۔ آپ نے قدرتی آفات کے مواقع پر دیکھا ہو گا کہ مذہبی تنظیمیں اور غیر حکومتی ادارے (N.G.O) سب سے پہلے آگے جاتے ہیں۔ یہ مذاہب کی تلقین اور تربیت کا ثمرا ہے۔ اسلام میں غریبوں کو کھانا کھلانا، قربانی کا گوشت، صدقات، عشر اور زکوٰۃ وغیرہ اسی مقصد کے لیے ہیں۔ سکھ مذہب میں اس پر بڑی توجہ دی گئی ہے۔ سردار دیال سنگھ لائبریری اور دیال سنگھ کالج اس کی بہترین مثال ہیں۔ ان کے ہاں پرشاد مذہبی تفریق کے بغیر تقسیم کیا جاتا ہے۔ ہندو دھرم میں بھی خدمتِ خلق پر زور دیا گیا ہے۔ لاہور کا گنگا رام ہسپتال ایک ہندو سر گنگا رام نے بنوایا تھا۔ جنھیں جدید لاہور کا بانی بھی کہا جاتا ہے۔ خدمتِ خلق دراصل بڑی عبادت تصور کی جاتی ہے۔

دیانت داری اور امانت داری تمام پیغمبروں اور دیگر اخلاقی تعلیمات پر مبنی مذاہب کے بانیوں کے ذاتی اوصاف میں شامل رہی ہیں۔ اِن کی لاکھ مخالفت کی گئی مگر ان کی دیانت داری، امانت داری، راست بازی اور عفو و درگذر کی شخصی خوبیوں کا ہمیشہ اعتراف کیا گیا۔ دنیا کا کاروبار درحقیقت دیانت داری اور راست بازی کا تقاضا کرتا ہے۔ مذہبی مبلغین نے عملی ثبوت دیا۔ انھوں نے کاروبار میں نہ دیانتی کی اور نہ جھوٹ بول کر ناجائز منافع کمایا بلکہ جان کو خطرے میں ڈال کر بھی انھوں نے ہمیشہ سچ بولا اور وہ راست رو بھی رہے اور راست باز بھی۔ سچائی تو وہ خوبی ہے جس میں ہزار خوبیاں پنہاں ہیں۔

ہندو دھرم، مسیحیت، اسلام، سکھ مذہب اور دوسرے تمام مذاہب میں ناپ تول کے پیمانے درست رکھنے پر زور دیا گیا ہے۔ دیانتداری وہ خوبی ہے جس کی وجہ سے قوم کو زوال نہیں آتا۔ امانت داری کا اتنا خیال رکھا گیا کہ اسلام نے مشورے کو بھی امانت قرار دیا۔

لاکھ کوشش کے باوجود ہمارے رویّوں سے دوسروں کے دل دکھتے ہیں۔ بعض اوقات، غصّے، غلط فہمی یا اشتعال انگیز صورتِ حال میں آدمی دوسرے سے زیادتی کا مرتکب ہوتا ہے۔ اس سے بعض اوقات اتنا فتنہ و فساد پیدا ہوتا ہے کہ حالات پر قابو پانا مشکل ہو جاتا ہے۔ ایسے حالات میں اصلاح کا ایک ہی پہلو ہے کہ خدائی صفت، جو وہ بندوں میں بھی دیکھنا چاہتا ہے، عفو و درگذر سے کام لیا جائے۔ دل سے معاف کر دینے سے بڑے اچھے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ انتقام کی طاقت رکھنے کے باوجود معاف کر دینا بہت بڑی بات ہے۔ دراصل

عفوو درگذر وہ خوبی ہے، جس سے دنیا قائم ہے۔ تمام مذاہب کے بانیوں نے ظلم اور زیادتیاں برداشت کیں مگر صبر اور درگذر سے کام لیا اس وجہ سے وہ مذہب پھیلتا ہی چلا گیا۔ فتح مکہ کی مثال بڑی اہم ہے، جب حضرت محمد خَاتَمُ النَّبِيّٖنَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ نے اپنے جانی دشمنوں کو معاف کر دیا تھا۔ مسیحیت میں بھی اس اخلاقی قدر پر بہت زور دیا گیا ہے کہ کوئی دائیں گال پر تھپڑ مارے تو بایاں بھی پیش کر دو۔

انسان کسی حد تک با اخلاق ہوسکتا ہے مذاہب کے بانیوں نے اس کا عملی ثبوت دیا ہے۔ آپ ان بانیوں کی زندگی کا جائزہ لیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ان پیغمبروں اور بانیوں حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت محمد خَاتَمُ النَّبِيّٖنَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ اور دیگر مذاہب کے بانیوں گوتم بدھ، زرتُشت، مہاویر اور بابا گورونانک دیو جی نے رحم دلی، عدل وانصاف، دردمندی، عفوودرگزر، دیانتداری اور راست بازی جیسے اعلیٰ اخلاقی اوصاف سے کروڑوں انسانوں کا دل موہ لیا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہی اخلاقی اقدار دنیا میں انسان کے سکھ چین اور آخرت میں نجات کی ضامن ہیں۔

اخلاقی اقدار

1۔ مثبت رویے:

مذہب میں محقق کا رویہ اور اندازِ فکر غیر جانب دارانہ اور غیر متعصّبانہ ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے اس کی تحقیق کا رویہ اور اندازِ فکر غیر جانب دارانہ اور غیر متعصّبانہ ہوتا ہے جس کی وجہ سے اس کی تحقیق کے نتائج حقائق پر مبنی ہوتے ہیں۔ اس طرح حقائق کا مطالعہ نہ صرف محقق بلکہ قارئین کے رویوں میں بھی مثبت تبدیلی کا باعث ہوتا ہے۔

2۔ حق و باطل کی تمیز:

مذاہب ہمیں ایسے رہنما اصول مہیا کرتے ہیں کہ ہم حق و باطل میں تمیز کر سکیں۔ اس سے خیر اور شر، نیکی اور بدی، اچھائی اور خامی، انسان اور شیطان کی کش مکش کا بخوبی علم ہوتا ہے۔ تقابل ادیان کا مطالعہ ہمیں بتاتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے ہر قوم اور ہر ملک میں اپنے برگزیدہ بندوں کو مبعوث کیا تاکہ وہ جہالت اور گمراہی میں ڈوبی ہوئی انسانیت کو روشنی کی کرنوں سے منور کریں اور حق و باطل کے فرق کو واضح کریں۔ لہٰذا تقابل ادیان کا مطالعہ ہمیں حق اور باطل میں تمیز کرنے کی کماحقہ راہنمائی مہیا کرتا ہے۔

3۔ مطالعے میں وسعت:

جب معاشرتی اقدار کے فروغ میں مثبت پیش رفت ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ مستقل یعنی ابدی اور ازلی اقدار کی نشان دہی ہوتی ہے اور فی الحقیقت یہی سچائیں اور اقدار مستقل ہیں جو ہر دور اور ہر دین میں موجود رہی ہیں۔ تقابل ادیان سے ہمیں ان کی آشنائی ہوتی ہے اور ہم انھیں اپنی زندگی میں راسخ کر سکتے ہیں۔ تقابل ادیان سے ہر دین کی خوبیوں اور خامیوں کا ہمیں علم ہوتا ہے جس سے نہ صرف ہمیں علمی لحاظ سے فائدہ ہوتا ہے بلکہ ان کے مطالعے سے بلند کرداری، نظری وفکری بلندی ار روحانی سکون حاصل ہوتا ہے۔ اس حقیقت کا بھی علم ہوتا ہے کہ ہر دین کے ہادی ورہبران اور بانی مضبوط کردار کے مالک، سچے، بے لوث، بے غرض تھے۔ ان افراد کی زندگی سے ہمیں رذائل اخلاق سے بچنے اور فضائل اخلاق کو اپنانے کے راہنما اصول ملتے ہیں۔

4۔ تہذیب وتمدن کے ارتقا کی خبر اور تعیّن:

قوموں کے عروج وزوال اور تہذیب وتمدن کا علم ہمیں تاریخ کے مطالعے سے حاصل ہوتا ہے۔ مذہب قوم اور تہذیب وتمدن کا ایک لازمی عنصر ہے۔ جب ہم ادیان کا مطالعہ کرتے ہیں تو دوسرے لفظوں میں ہم مذاہب کی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں۔ اس سے ہمیں قوموں کے عروج وزوال کی داستانیں اور تہذیب وتمدن کے چراغوں سے روشنی حاصل کرنے کے مواقع ملتے ہیں۔ اس سے ہمیں نہ صرف لوگوں کی زمانی، ثقافتی اور تمدنی حیثیت کے تعین میں مدد ملتی ہے بلکہ اس دور کے انسانوں کے فکر، سوچ اور ذہنی بلندی کا بھی علم ہوتا ہے۔

5۔ استدلالی اور سائنسی انداز فکر میں ترقّی:

ماہرین کی تحقیق جانب داری، تنگ نظری اور تعصب سے مبرا ہوتی ہے۔ اس میں بیانیہ اور تاریخی تحقیق کو سائنسی طریقۂ تحقیق کے مراحل سے گزرنا ہوتا ہے۔ اس لئے ادیان کے مطالعے سے نہ صرف ہمارے وقوفی علم میں اضافہ ہوتا ہے بلکہ استدلال اور سائنسی انداز فکر میں بھی ترقی ہوتی ہے۔

6۔ موعظت اور عبرت کا درس:

قوموں کے عروج وزوال اور تہذیب وتمدن کے روشن میناروں سے واسطہ پڑتا ہے وہاں ہمیں ان میناروں کو روشن کرنے والے انسانوں کے کارناموں سے بھی آگاہی حاصل ہوتی ہے جو انھوں نے انسانیت کی فلاح و بہبود کے لئے سرانجام دیئے۔ ہمیں پتا چلتا ہے کہ انسانیت کے ان معلمین نے کن کن کٹھن مرحلوں سے گزر کر انسانوں کو علمی، روحانی، اخلاقی اور سیاسی تربیت کی۔ اس سے یہ حقیقت بھی واضح ہوتی ہے کہ جو قوم خیر کی راہ پر چلی اس نے فلاح وسعادت مقدر کی اور جو شر پر چلی تباہی اور ہلاکت ان کا مقدر بنی۔ اس طرح ہمیں مذاہب کے مطالعے سے موعظت وعبرت کے اسباق ملتے ہیں۔

7۔ سچ اور جھوٹ میں تمیز:

تحقیقی مواد بھی سائنسی طریقہ کار کے تمام مراحل سے گزرتا ہے چنانچہ مختلف ادیان میں پھیلی ہوئی حکایات، روایات اور مذہبی کتب میں تحریف کا بخوبی علم ہوجاتا ہے اور اس طرح سچ اور جھوٹ میں تمیز ہوجاتی ہے۔ لہذا تقابل ادیان کا مطالعہ حقیقی اور افسانوی معلومات اور سچ اور جھوٹ میں تمیز کا ملکہ پیدا کرتا ہے۔

8۔ توحید کا قیام:

مذاہب کا بغور مطالعہ کیا جائے تو اس پر یہ بات روشن ہوجاتی ہے کہ اس کائنات کو بنانے اور چلانے والی ذات ”واحد“ ہے اور وہ ذات باری تعالیٰ ہے۔ اس طرح ادیان کا مطالعہ ہمیں بتاتا ہے کہ مذہب کی اساس توحید باری تعالیٰ ہے۔

9۔ انسانی عظمت:

توحید کا عقیدہ جب انسان کی زندگی کا اول وآخر بن جاتا ہے تو مٹی کا یہ پتلا عظمت کے نور میں گھر کر لیتا ہے۔ اس طرح انسانی عظمت اپنے انتہائی عروج کو پالیتی ہے۔ جب ایک انسان خدا تعالیٰ کو وحدہ لاشریک تسلیم کر لیتا ہے تب وہ دنیا کی ہر محتاجی اور ہر غلامی سے ماورا ہوجاتا ہے اور اس کو پوری کائنات پر برتری حاصل ہوجاتی ہے۔

10۔ مساوات:

ادیان کے مطالعے سے ہمیں مساوات کا سبق ملتا ہے اور تفریق بین الناس اور اونچ نیچ کا مسئلہ پامال ہو جاتا ہے۔ مذاہب کی تعلیمات سے واضح ہو جاتا ہے کہ معزز وہ ہے جو تم میں سے سب سے زیادہ متقی ہے۔

11۔ رواداری:

خدا تعالیٰ کا پیغام ہر ملک اور اور ہر قوم کے انسانوں تک پہنچایا گیا ہے۔ اس لئے دین مطالبہ کرتا ہے، کہ مذہب کے نام پر خون خرابہ نہ کیا جائے بلکہ رواداری سے کام لیا جائے۔ انسانوں کے حقوق اور اپنے فرائض کا خیال رکھا جائے۔

12۔ تزکیۂ نفس:

ہر مذہب اور دین نے خدا کو ماننے پر زور دیا ہے۔ انسان کی جو باطنی بلندی اور کمال آج نظر آتا ہے وہ خدائے واحد پر ایمان لانے ہی کا ثمر ہے۔ تقابل ادیان کا مطالعہ اعلان کرتا ہے کہ تزکیۂ نفس ہی ایسی قوت ہے جس نے انسان کو قصرِ مذلت سے نکال کر اخلاقِ حسنہ کے ایسے بلند مینار پر کھڑا کر دیا جو تصور میں بھی نہیں آ سکتا ہے۔

13۔ علوم وفنون کی ترقی:

کوئی مذہب ایسا نہیں جس نے سائنسی ترقی برائے انسانی فلاح پر پابندی لگائی ہو۔ مذہب نے انسان کو یہ سبق دیا کہ وہ اشرف المخلوقات ہے اور کائنات کی ہر چیز انسان کی آسائش اور انتفاع کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ مذاہب کا مطالعہ انسان کو کائنات کی ہر چیز کو مسخر کرنے کی طرف توجہ دلاتا ہے اور دلائی ہے۔ اس طرح انسان کائنات کے عناصر کے خواص معلوم کرنے میں مصروف رہتا ہے جس سے مختلف علوم اور سائنس نے ترقی کی منازل طے کیں اور مزید کی جستجو میں ہے۔

14۔ عقل کی رہنمائی:

اگر انسان کو اپنی عقل کے ذریعے سے زندگی کی تمام گتھیاں سلجھانی پڑتیں اور دنیاوی زندگی کی بہتری کے تمام اُصول وضع کرنے پڑتے تو عقل کی کوتاہ بینی کی وجہ سے انسان قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتا ہے۔ مذہب نے انسان کی عقل کی راہنمائی کے لیے عمرانی، سیاسی، معاشی، معاشرتی، عائلی اصول وضع کر دیے ہیں تاکہ انسان ان اصولوں کی روشنی میں زندگی کے ہر قسم کے مسائل حل کر سکے۔ اگر انسان کے سامنے وہ اصول نہ ہوتے تو وہ ہلاکت اور بربادی کے گڑھے میں گر جاتا۔ جن قوموں نے ان رہنما اصولوں کو چھوڑ دیا آخر کار وہ تباہ و برباد ہوئیں۔

15۔ جزا و سزا اور حیات بعد الموت کا علم:

جزا و سزا اور حیات بعد الموت کا تصور ہر مذہب میں کسی نہ کسی شکل میں پایا جاتا ہے۔ انسان کی فطرت میں خدا کی ہستی کا تصور مرکوز ہے مگر جزا و سزا اور حیات بعد الموت کا علم سوائے مذہب کے کہیں سے حاصل نہیں ہوتا۔ انسان کی فطرت میں خدا کی ہستی کا تصور مرکوز ہے۔

مشق

(الف) مفصل جوابات لکھیں۔

1۔ مذاہب اور اخلاقی اقدار باہم لازم وملزوم رہے ہیں۔ بحث کریں؟

2۔ مثالوں سے وضاحت کریں کہ رحم اور دردمندی انسانی زندگی کے لیے اہم ہیں۔

(ب) مختصر جوابات لکھیں۔

1۔ تمام مذاہب کی بنیاد کس پر ہے؟

2۔ اخلاقی خوبیاں کیسے پیدا کی جاسکتی ہیں؟

3۔ جب کسی کو تکلیف میں دیکھ کر اس کی مدد کو جی چاہے تو اسے کون سی اخلاقی خوبی کہیں گے؟

4۔ مذہب سچ اور جھوٹ کی تمیز کیسے سکھاتا ہے؟

5۔ علوم وفنون کی ترقی میں مذہب کیسے مدد کرتا ہے؟

6۔ اخلاقی خوبیوں کے عملی نمونے کہاں ملتے ہیں؟

(ج) درست جواب کی نشاندہی کیجیے۔

1۔ تمام مذاہب کی بنیاد..................پر ہے۔

(ا) عبادات (ب) اخلاقیات (ج) اعتقادات (د) انسانی نفسیات

2۔ رحم دلی اور دردمندی کا جذبہ..................میں زیادہ ہوتا ہے۔

(ا) عورتوں (ب) مردوں (ج) بچوں (د) ا، ب، ج

3۔ بُرائی روکنے کا زیادہ مؤثر ہتھیار ہے۔

(ا) قانون (ب) درگزر (ج) معاشرتی دباؤ (د) اخلاقی تربیت

4۔ مذہب انسانیت کی ------------- کے لیے خدمات سرانجام دیتا ہے۔

(ا) تعلیم (ب) سیر وتفریح (ج) فلاح وبہبود (د) ا، ب، ج

5۔ تقابلِ ادیان کے مطالعے سے ہمیں ------------- کا سبق ملتا ہے۔

(ا) آہنسا (ب) مساوات (ج) بددیانتی (د) ا، ب، ج

(د) کالم (الف) کا ربط کالم (ب) سے کیجیے اور جواب کالم (ج) میں لکھیے۔

کالم (الف)	کالم (ب)	کالم (ج)
دل بھر آنا	دردمندی	
مدد کو جی چاہنا	جین مت	
کانٹے دار جھاڑیاں	رحم	
پناہ گاہیں	دیانتداری	
ناپ تول	درگزر	
	پرہیزگاری	

(ہ) **طلبہ کے لیے سرگرمیاں:**

1۔ طلبہ مختلف مذاہب کی اخلاقی اقدار الگ لکھیں۔ ان مذاہب کی مشترک اور اخلاقی اقدار کا ایک خوب صورت چارٹ تیار کریں۔

(و) **اساتذہ کے لیے ہدایات:**

1۔ طلبہ کو اچھے اعمال کے نیک انجام، اجر اور آخرت میں صلہ کے موضوع پر واقعات سنائیں تا کہ انہیں اچھائی کی تحریک ملے۔

☆☆☆☆

انسانی کردار سازی پر احتساب کے اثرات

انسان اور دیگر زندہ اجسام کے اندر نئے خلیے پیدا اور پرانے ٹوٹتے رہتے ہیں گویا تعمیر اور تخریب ایک ہی وقت میں جاری رہتی ہے، اگر غور کریں تو انسانی ضمیر میں نیکی اور بدی کی قوتیں ہمہ وقت مصروفِ کار رہتی ہیں اور کچھ اندرونی اور بیرونی عناصر کے عمل دخل سے ان کا توازن قائم ہوتا یا بگڑتا رہتا ہے۔ مذاہب کے نظام ہائے اخلاق بُرائی سے روکتے اور اچھے کام کرنے کی تلقین کرتے ہیں اسی طرح انسان خود بھی تعمیر و ترقی کے لیے قانون سازی کرتا ہے جس کے ذریعے تخریبی قوتوں کی روک تھام اور سرکوبی کا بندوبست کیا جاتا ہے۔

احتساب، محاسبہ یا مواخذہ انسان کی بدی کی راہ روکتا اور عدل و انصاف قائم کرتا ہے۔ اس لیے احتساب کے لیے قاعدے اور قوانین بنائے جاتے ہیں۔ مذاہب اس سلسلے میں نہ صرف راہنمائی کرتے ہیں بلکہ قوانین کے لیے بنیادیں بھی فراہم کرتے ہیں جن پر قوانین بنا کر بُرائی کی بیخ کنی کی جا سکے اور عدل قائم کیا جا سکے۔ آپ دنیا کے مختلف قوانین کا جائزہ لیں تو احتساب کے لیے بنائے قوانین کا بڑا حصہ مذاہب کا فراہم کردہ نظر آئے گا۔ جن جرائم کا کھوج نہ لگایا جا سکے یا محاسبہ ممکن نہ ہو ایسے جرائم کی سزا روزِ آخرت پر اٹھا رکھی جاتی ہے۔

انسان شُترِ بے مہار نہیں ہے۔ ہر فرد کو اپنے اپنے دائرۂ کار میں ذمہ دار ٹھہرایا گیا ہے۔ اساتذہ تعلیمی اداروں میں بچوں کی تعلیم و تربیت کے ذمہ دار ہیں۔ اگر اساتذہ فرائض سے کوتاہی برتیں، تو سربراہان ادارہ سرزنش اور قاعدے قانون کی کارروائی سے ان کا مواخذہ کر سکتے ہیں۔ اگر سربراہ چشم پوشی کرے تو محکمہ تعلیم اس کی کوتاہی کا احتساب کرتا ہے۔ اسی طرح درجہ بدرجہ حقوق و فرائض کے دائرے میں اصلاح کا عمل جاری رہتا ہے۔ مذاہب کی اخلاقی تعلیمات میں بھی اس بات پر زور دیا جاتا ہے کہ دوسروں کی حق تلفی نہ ہو اور جزا و سزا کے تمام پیمانے بھی اسی لیے ہیں، کہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ ہوتا رہے۔ آخرت میں حساب و کتاب کا نظام بھی احتساب ہی کی ایک عمدہ صورت ہے۔

احتساب کا ایک آلہ انسان کے اندر بھی موجود ہے۔ اسے ضمیر کہتے ہیں۔ جب ہم غلط کام کرتے ہیں یا اپنے حق سے زیادہ کی خواہش کرتے ہیں، یا دوسرے کا حق تلف کرتے ہیں تو ضمیر اس کی مذمت کرتا ہے۔ نرم خو اور روشن ضمیر طبیعتیں اس آواز پر کان دھرتی، اور اپنے رویے درست کر لیتی ہیں۔ لیکن بگاڑ زیادہ ہو تو پھر دیگر ذرائع استعمال کیے جاتے ہیں۔ سب سے بڑا احتساب خود مذاہب کا پیدا کردہ احساس ذمہ داری اور جواب دہی کا احساس ہے۔ جب انسان کو یقین ہو کہ اسے خدا کے سامنے ہر عمل کا حساب دینا ہے۔ تو وہ ظاہر اور چھپے ہر عمل کے لیے احساس جواب دہی سے سرشار ہوتا ہے اور خدا خوفی اسے راہِ راست پر رکھتی ہے۔ اس کے برخلاف صرف قانون کا خوف تمام لوگوں کو سیکھا نہیں رکھ سکتا۔ تیسرا طریقہ یہ ہے کہ انسان کی لالچ اور بے لگام خواہشوں کو لگام دینے کے لیے قوانین بنائے جاتے ہیں۔ یہ احتساب، گرفت اور نگرانی اور جواب دہی نہ صرف معاشروں کی ضرورت ہیں بلکہ ان کی بقا کے ضامن بھی ہیں۔

تاریخ کے ہر دَور میں اور دنیا کے تمام ممالک اور معاشروں میں جہاں ایک طرف تعمیر و ترقی کے لیے افراد اور ادارے کام کرتے ہیں، وہاں دوسری طرف تخریب کار، قانون شکن اور منفی کاموں کی روک تھام کے لیے ادارے بھی موجود ہوتے ہیں۔ محکمہ پولیس اور عدالتوں کے علاوہ منفی رجحانات کی حوصلہ شکنی کے لیے اور بھی بہت سے ادارے قائم کیے جاتے ہیں۔ جن میں احتساب کئی طریقوں سے کیا جاتا ہے۔ اسلام میں محتسب کا ایک مستقل ادارہ قائم ہے جس کے اپنے ضابطے ہیں اور وہ ریاست میں ہمہ وقت سرگرم رہتا ہے۔

تعلیم کے دَوران تمام تعلیمی اداروں میں اخلاقی تربیت کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ یہ تربیت جتنی اچھی ہو معاشرے اتنے ہی توانا رہتے ہیں اوران میں بداخلاقی کا نقب لگانا دشوار ہوجاتا ہے سیاسی میدان میں حکومت کا احتساب پارلیمان کرتی ہے۔ پارلیمان کی پبلک اکاؤنٹس کمیٹی بھی اسی لیے ہوتی ہے۔ پارلیمنٹ کی قائمہ کمیٹیاں بھی احتساب کا کام کرتی ہیں بعض اوقات اہم نوعیت کے قومی معاملات میں عدالتِ عظمیٰ خود بھی حرکت میں آتی ہے۔

انتظامی معاملات میں مواخذے کا انداز مختلف ہوتا ہے۔ حکام اپنے ماتحت عملے کی کارکردگی کا مسلسل جائزہ لیتے رہتے ہیں اور ان کی کوتاہیوں اور کمزوریوں کا حساب لے کر معاملات درست رکھتے ہیں۔ ذرا بڑے معاملات میں جائزہ کمیٹی باقاعدہ تفتیش کر کے اورر حالات کا کھوج لگا کر رپورٹ دیتی ہے اور صفائی کا موقع دے کر جرم ثابت ہونے پر ملزم کے لیے سزا کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ اسے صفائی کا موقع دیا جاتا ہے۔ حکومت افسران کے خلاف شعبہ شکایات قائم کرتی اور کھلی کچہریوں کا انعقاد کرتی ہے۔ پاکستان میں وفاقی اور صوبائی سطح پر محتسب مقرر کیے گئے ہیں، جو ہزاروں شکایات کا ازالہ کرتے ہیں۔ محتسب کو اعلیٰ عدالتی اختیارات حاصل ہوتے ہیں۔

نجی سطح پر احتساب کا طریقہ مختلف ہوتا ہے۔ ادارے اور کمپنیاں اپنے ملازمین کی کارکردگی کا اپنے طریقے سے جائزہ لیتی ہیں۔ روزمرہ سہولیات مہیا کرنے والی کمپنیاں صحت مندانہ مقابلے کی فضا قائم رکھتی ہیں۔ مال کا معیار بڑھایا جاتا ہے۔ عوام کو پسند ناپسند بھی احتساب کا درجہ رکھتی ہے، اس سے مال اور خدمات کا معیار بہتر رہتا ہے۔

احتساب اور مواخذے کے اثرات انسانی رویوں پر ہوتے ہیں، غلط رویوں کی اصلاح ہوجاتی ہے اور ضمیر کی خلش ختم یا کم ہوجاتی ہے۔ جن معاشروں میں قانون کی عمل داری (یہ بھی احتساب کا ایک طریقہ ہے) اور کڑے احتساب کی روایت موجود ہوتی ہے وہاں جرائم کم ہوتے ہیں۔ انسانی ذہن کی منفی قوتیں، لالچ، ترغیبات، ہر ملک اور معاشرے میں لگ بھگ ایک جیسی ہوتی ہیں۔ کروڑوں اربوں کے فراڈ، قتل، آبروریزی، دہشت گردی اور دھوکا دہی کے واقعات مشرق و مغرب میں ہر جگہ ہوتے ہیں۔ البتہ جہاں تربیت سے ذہن بدل دیے جائیں، سماجی انصاف عوام کو میسر آئے، جواب دہی کا احساس بیدار، اور مواخذے کی روایت پختہ ہو وہاں جرائم کم ہوجاتے ہیں۔

انسان کی تربیت ماں کی گود سے شروع ہوتی ہے۔ تعلیمی ادارے مزید تربیت کرتے ہیں۔ اس سے بچے کی کردار سازی ہوتی ہے۔ اس سارے عمل اور رویوں کے بننے میں جزا اور سزا کے عوامل بھی کارفرما ہوتے ہیں۔ معاشرے کی اخلاقی قوت کا دباؤ بھی احتساب کا کام کرتا ہے۔ بہت سے غلط کام اس لیے نہیں ہوتے کہ معاشرتی دباؤ زیادہ ہوتا ہے، کچھ لوگ اخلاق کی اس بلند سطح پر ہوتے ہیں، کہ ہر قسم کی مشکلات برداشت کر لیتے ہیں مگر غلط کاموں سے باز رہتے ہیں۔ سزا کا ڈر اور ضمیر کی خلش رویوں کی سمت درست رکھتے ہیں۔ قانون قاعدے کا بھی انسانی زندگی میں احتساب اور گرفت کا اثر ہے اسی سے معاشرے مہذب بنتے ہیں۔ احتساب سے احساس ذمہ داری بھی بڑھ جاتا ہے اور یہ احساس تعمیر و ترقی کے پہیے کو رواں دواں رکھتا ہے۔ احتساب کا نظام معاشرتی قدروں کے تحفظ، قانون کی عملداری، سماجی رویوں کے دباؤ اور اخلاقی امور کو تقویت اور زندگی عطا کرتا ہے۔ عالمی مذاہب میں آخرت کا تصور اور اپنے اعمال کے لیے جواب دہی کا تصور نہ صرف انسان کو مہذب بناتا ہے بلکہ انسانی معاشرے کو بُرائی ترک کرنے اور نیکی اپنانے کا موثر ترین ذریعہ ہے۔

مشق

(الف) مفصل جوابات لکھیں۔

1۔ احتساب کے قوموں کی ترقی پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟

2۔ قانون کس طرح احتساب کا کردار ادا کرتا ہے؟

(ب) مختصر نوٹ لکھیں۔

(i) انسانی ضمیر اور احتساب (ii) ترغیبات اور احتساب

(ج) مختصر جوابات لکھیں۔

1۔ احتساب کی تعریف کریں۔

2۔ انسان کا ضمیر کیا ہے؟

3۔ مذہب احتساب کے لیے کیسے راہ ہموار کرتا ہے؟

4۔ تعمیری اور تخریبی عناصر کا آپس میں کیا تعلق ہے؟

5۔ معاشرے کی اخلاقی قوت کے دباؤ کا اثر کیا ہوتا ہے؟

(ج) درست جواب کی نشاندہی کیجیے۔

1۔ انسانی سوسائٹی کو متاثر کرتے ہیں۔

(ا) تخریبی عناصر (ب) تعمیری عناصر (ج) قانونی ادارے (د) ا۔ب۔ج

2۔ احتساب ضروری ہوتا ہے تا کہ.......................۔

(ا) عدل وانصاف قائم ہوسکے (ب) تخریب کم ہوجائے (ج) منفی رجانات کی حوصلہ شکنی ہو (د) ا ،ب،ج

3۔ انسان کے اندر احتساب کی کنجی ہے۔

(ا) دل (ب) دماغ (ج) ضمیر (د) بصیرت

4۔ محاسبے کے بعد.......................ہوجاتی / جاتا ہے۔

(ا) غلطی کی اصلاح (ب) تخریب کا عمل اور تیز (ج) ضمیر کی خلش ختم (د) کوئی فرق نہیں پڑتا۔

5۔ انسانی رویے بدلنے میں بڑا کردار.......................کا ہے۔

(ا) جزا اور سزا (ب) مواخذے (ج) اخلاقی دباؤ (د) مثبت سوچ

(و) کالم (الف) کا ربط کالم (ب) سے کیجیے اور جواب کالم (ج) میں لکھیے۔

کالم (الف)	کالم (ب)	کالم (ج)
تعمیری و تخریبی	جرائم کم	
بچوں کی تربیت	نیکی اور بدی	
احتساب کی کنجی	اساتذہ اور والدین	
کڑا احتساب	درست رویّے	
سزا کا خوف	ضمیر	
	اخلاقی تربیت	

(ہ) **طلبہ کے لیے سرگرمیاں:**

1۔ طلبہ یہ لکھ کر بتائے کہ اسکول اور کمرۂ جماعت میں طلبہ کا احتساب کیسے ہوتا ہے؟

2۔ طلبہ بتائیں کہ کسی غلطی پر ان کے ضمیر کی آواز کیا تھی۔

(د) **اساتذہ کے لیے ہدایات:**

1۔ طلبہ میں سے کسی ایک کو جج اور دو کو وکیل (وکیل استغاثہ اور وکیل صفائی) مقرر کریں۔ عدالت لگائی جائے اور مختلف جرائم میں ملوث طلبہ کا احتساب کر کے سزا سنائی جائے اور کچھ کو خبردار کر کے چھوڑ دیا جائے۔

☆☆☆☆

مذہبی تعلیمات میں پابندیِ وقت کی اہمیت

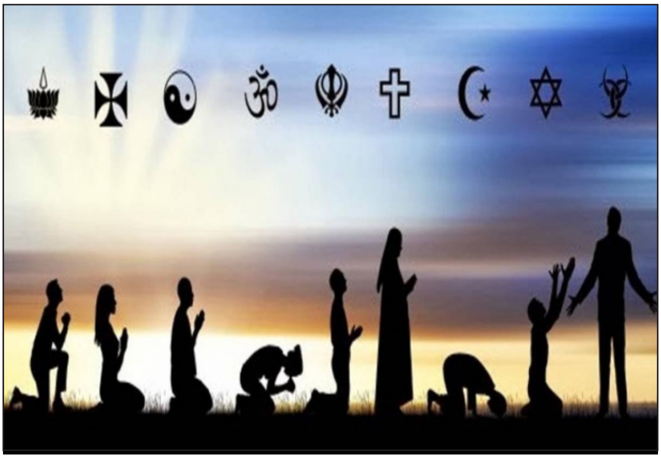

وقت انسان کا سب سے قیمتی سرمایہ ہے اور انسان ہی کو یہ اختیار حاصل ہے کہ چاہے تو اسے کام میں لائے یا اسے ضائع کرے۔ وقت ذخیرہ کیا جا سکتا ہے اور نہ پیشگی استعمال میں لایا جا سکتا ہے۔ آپ میں سے ہر ایک کے پاس دن رات کے چوبیس گھنٹے ہوتے ہیں جو بھی اس وقت کی دولت سے فائدہ اٹھاتا ہے، وہ کامیاب ہے اور جو اسے ضائع کرتا ہے، وقت اسے کہیں کا نہیں چھوڑتا۔ یاد رہے کہ وقت بند مٹھی سے گرتی ریت یا برف کے پگھلاؤ کی طرح غیر محسوس انداز میں گزرتا رہتا ہے اور پتا بھی نہیں چلتا۔ مذاہب میں بھی وقت کو بہت اہمیت دی گئی ہے۔ جین مت میں تو وقت (کال) کو ایک ابدی حقیقت قرار دیا گیا ہے۔

مذاہب کئی طرح سے وقت کی اہمیت بتاتے اور پابندی وقت کی تاکید کرتے ہیں۔ تمام مذاہب میں عبادات کے نظام موجود ہیں اور اکثر فرض کی ادائیگی کے لیے باقاعدہ نظامِ اوقات بھی دیا ہوتا ہے۔ ہندو دھرم، یہودیت، عیسائیت، اسلام اور سکھ مذہب میں اگرچہ عبادات کے نظام ایک دوسرے سے مختلف ہیں مگر ان سب میں اوقات کی پابندی لازمی ہے۔ عبادت گاہوں میں اجتماعی عبادات ہوتی ہیں تو لوگوں کو وقت پر عبادت گاہ میں پہنچنا ہوتا ہے۔ ہندو دھرم میں صبح سویرے اٹھنا، اشنان کرنا اور مندر میں پوجا کرنے کے اوقات مقرر ہیں۔ یہودی ہفتے کے روز اور مسیحی ہر اتوار کو مقررہ اوقات میں عبادت کرتے ہیں۔ مسلمان نماز جمعہ کا وقت مقررہ پر اہتمام کرتے ہیں۔ مسلمانوں کی تمام عبادت گاہوں میں عبادت کے اوقات مقرر ہوتے ہیں اور نظامُ الاوقات آویزاں کیا ہوتا ہے۔ جن مذاہب میں روزہ رکھنا فرض ہے ان کے لیے بھی اوقات مقرر ہوتے ہیں۔ اسلام کے جامع عبادات کے نظام میں روزانہ پانچ وقت کی نماز، نماز جمعہ، نماز عیدین اور مختلف قسم کی مختسب عبادات (نوافل) کے لیے اوقات متعین ہیں۔ اسی طرح حج اور قربانی کے دن بھی مقرر ہیں۔

آپ کسی بھی مذہب کی عبادت گاہ میں جائیں، آپ کو عبادات کے نظام الاوقات کا اندازہ ہو گا۔ مسجد میں نمازوں کے اوقات کا نظام ملے گا۔ روزوں کی افطاری کے لیے باقاعدہ اوقات شائع کیے جاتے ہیں۔ بدھوں کا وہارہ ہو یا سکھوں کا گوردوارہ، ہندوؤں کا مندر ہو یا مسیحیوں کا چرچ، وہاں عبادت کے اوقات کی پابندی لازمی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مذاہب میں انسان کو وقت کی اہمیت اور ر پابندیِ وقت کے سبق دیئے جاتے ہیں۔ زندگی دراصل اسی پابندیِ وقت کا دوسرا نام ہے۔ جبکہ آوارگی میں وقت ضائع کرنے کو زندگی نہیں کہا جا سکتا۔

ذرا غور کیجیے فطرت ہمیں وقت کی پابندی کے کیا کیا سبق سکھاتی ہے؟ سورج وقت پر طلوع ہوتا ہے، چاند، ستاروں کی گردش، موسموں کی آمدورفت اور کائنات کا ہر ذرہ وقت کا پابند ہے۔ فصلوں کا اُگنا، پھل پھولوں کا پیدا ہونا سب کچھ اپنے وقت پر ہوتا ہے۔ جو

فصلیں موسمِ گرما کی ہیں وہ سرما میں نہیں اُگائی جاسکتی ہیں۔ اِسی طرح جو پھول، سبزی جس موسم وقت میں اگتے ہیں اس کے علاوہ نہیں اگتے اگر کسان وقت ضائع کر دے تو تمام فصلیں، پھل اور سبزیاں وغیرہ اُگانے کا نظام درہم برہم ہوجائے۔ گویا فطرت انسان کو یہ بتا رہی ہے کہ اگر وقت کی پابندی نہ کی جائے، تو کائنات کا وجود سیکنڈوں میں ختم ہوسکتا ہے۔

تمام مذاہب آخری زندگی پر ایمان رکھتے ہیں اور اس بات پر بھی ایمان رکھتے ہیں کہ یومِ آخرت میں انسان سے سب سے بڑا سوال یہی ہوگا کہ زندگی (جو وقت کا دوسرا نام ہے) کیسے گزاری اور کہاں صرف کی؟ ایک اور قول ہے کہ لوگ دو چیزوں سے فائدہ نہیں اٹھاتے ایک صحت اور دوسرا فرصت کے اوقات سے ضائع کرتے ہیں۔

تمام مذاہب کے تہوار اور دیگر تقریبات اپنے اپنے وقت پر سال کے مختلف مہینوں میں مقررہ وقت پر منائے جاتے ہیں۔ مسلمانوں کی عیدیں (عیدالفطر، عیدالاضحیٰ، عید میلاد النبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ)، روزے اور محرم وغیرہ خاص وقت پر منائے جاتے ہیں۔ اگر مقررہ وقت پر یہ تہوار نہ منائے جائیں تو تہوار کی خوشیاں ضائع ہوجاتی ہیں۔

ہندو دھرم میں ہولی، دیوالی، جنم اشٹمی، کرواچوت اور نوترے وغیرہ اپنے اپنے وقت پر منائے جاتے ہیں۔ تہواروں کے دِنوں میں ایک خاص گہما گہمی اور خوبصورتی اِسی لیے ہوتی ہے کہ تمام لوگ وقت مل کر وہ تہوار مناتے ہیں۔ بابا گورونانک صاحب جی کا جنم دن اور وساکھی کا تہوار سِکھ برادری میں بڑی عقیدت اور دھوم دھام سے منایا جاتا ہے۔ اِسی طرح نوروز (زرتشت مذہب)، کرسمس اور ایسٹر (مسیحیت) تمام تہوار اپنے مقررہ وقت پر اُس مذہب کے ماننے والے مذہبی جوش وخروش اور عقیدت سے مناتے ہیں۔

تمام مذاہب کی تعلیمات میں عبادات کو فضیلت حاصل ہے اور عبادات میں پابندیِ وقت کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ اگر مذاہب میں عبادات کے اوقات صبح سویرے شروع ہوتے ہیں۔ انسان نے مشین کا حصہ بن کر اپنے نظام الاوقات بدل دیے ہیں جس سے ناآسودگی بڑھتی جارہی ہے۔ دین اور مذاہب عین فطرت ہیں اور وہ فطرت کے قریب رہنے کا درس دیتے ہیں۔ اوقات کی پابندی دراصل فطرت سے ہم آہنگی کا دوسرا نام ہے۔

☆☆☆☆

مشق

(الف) مفصل جوابات لکھیں۔

1۔ مذاہب میں پابندیِ وقت کی تلقین پر مضمون لکھیے۔

2۔ مذاہب میں کون کون سے اُمورِ وقت کی پابندی کی تربیت دیتے ہیں، مفصل لکھیے۔

(ب) مختصر جوابات لکھیں۔

1۔ وقت کیسی دولت ہے؟

2۔ کون سی دولت تمام انسانوں کو برابر دی گئی ہے؟

3۔ عبادات اور وقت کا تعلق کیا ہے؟

4۔ وقت کے حوالے سے فطرت ہمیں کیا سبق دیتی ہے؟

5۔ روزِ محشر سب سے بڑا سوال کیا ہوگا؟

(ج) درست جواب کی نشاندہی کیجیے۔

1۔ انسان کی سب سے قیمتی متاع .... ہے۔

(ا) صحت (ب) دولت (ج) وقت (د) اخلاق

2۔ عبادت کے لیے .... ضروری ہے۔

(ا) طہارت (ب) وقت کی پابندی (ج) صحت (د) عقیدہ

3۔ تمام انسانوں کو ایک چیز برابر دی گئی ہے۔

(ا) صحت (ب) ذہن (ج) وقت (د) سوجھ بوجھ

4۔ فطرت ہمیں .... کی پابندی کا درس دیتی ہے۔

(ا) اصولوں (ب) وقت (ج) شرع (د) اخلاقیات

(د) صحیح جملے کے سامنے ''ص'' اور غلط کے سامنے ''غ'' لگائیے۔

1۔ وقت کے استعمال کا اختیار فرد کو حاصل ہے۔

2۔ مذاہب اہمیت کی بجائے وقت کی پابندی پر زور دیتے ہیں۔

3۔ آخرت میں انسان کے سامنے سب سے بڑا سوال اعمال کا ہوگا۔

4۔ وقت کی پابندی فطرت سے ہم آہنگی کا دوسرا نام ہے۔

5۔ تمام مذاہب کی تعلیمات میں وقت کو فضیلت حاصل ہے۔

(ہ) طلبہ کے لیے سرگرمیاں:

1۔ کمرۂ جماعت میں لگی گھڑی کی سیکنڈوں کی سوئی پر نظر جما کر وقت کے گزرنے کا احساس کیجیے۔

2۔ طالب علم وقت کی قدر نہ کرے تو کیا نتائج نکلتے ہیں اس پر گروہی مباحثہ کر کے اہم نکات نوٹ کریں۔

(و) اساتذہ کے لیے ہدایات:

1۔ گھڑی کی ایجاد سے پہلے وقت کے پیمانوں کے بارے میں بتائیے مثلاً، ریت کی ریزش، سورج، چاند، ستاروں کی حرکت اور سایہ وغیرہ۔

☆☆☆☆